تبصرات ماجدی

مولانا عبدالماجد دریابادی
کے
ادبی تبصروں کا مجموعہ

مرتب
عبدالعلیم قدوائی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
ویسٹ بلاک۔1، آر. کے. پورم، نئی دہلی۔ 110 066

(112) یادوں کی برات (از جوش ملیح آبادی)

(1)

جوش صاحب ملیح آبادی ثم پاکستانی کا شمار وقت کے مشہور بلکہ نامور شاعروں میں ہے اور زبان پر انھیں عبور ہی نہیں کہنا چاہیے کہ حیرت انگیز ملکہ حاصل ہے۔ علاوہ شاعری کے لغت کا کام بھی اچھا خاصا کر سکتے ہیں بلکہ ایک بڑی حد تک انجام دے چکے ہیں، اب انھوں نے خدا معلوم کن نادان مشیروں کے کہنے سننے میں آ کر اپنی ایک آپ بیتی ساڑھے پانچ سو صفحات کی ''یادوں کی برات'' کے نام سے لکھ کر شایع کر دی ہے...... یہ برات اگر ہے تو کسی شریف مہذب نستعلیق شہری کی تو نہیں البتہ اجڈ اور دیہاتی گنواروں کی تو ہو سکتی ہے جو ٹھرّا، دارو، مہوے کی شراب پیئے گالی بکتے، جھکتے چلے جاتے ہیں اور ان کے جسم ہیں رَبوئے فحش کے بھبکے چھوڑتے جا رہے ہیں۔ عین مین ایک دیہاتی فاحشہ اپنے خریداروں کے جمگھٹ میں ؎

آگے وہ اور پیچھے یار فوج کی فوج
دھینگا مشتی کسی سے گالی گلوج

''برات'' اگر اس کا نام ہے تو تف ہے ایسی برات پر...... موزوں نام ہوتا ''یادوں کی کوّا گہار''۔

ابواب کتاب کی ترتیب نہ تاریخی ہے نہ منطقی نہ نفسیاتی بس جو واقعہ جہاں بھی یاد پڑ گیا بس وہیں اسے ٹانک دیا ہے حافظہ جوش صاحب کا کسی زمانے میں جیسا بھی رہا ہو اب اس سن میں تو شاید بادہ خواری کی برکت سے اچھا خاصا جواب دے چکا ہے اور نام شخصیتوں کے ہوں یا جگہوں کے ان کی مٹی اچھی خاصی پلید کی ہے۔ لکھنؤ کے دو پرانے ہوٹل امپیریل اور برلنگٹن لکھے ہیں۔ امپیریل کے نام سے تو کوئی ہوٹل اس وقت لکھنؤ میں نہ تھا، رائل البتہ تھا اور برلنگٹن نام بھی بہت بعد کو پڑا ہے۔ جس زمانے کا ذکر ہے اس وقت وہ سول اینڈ ملٹری ہوٹل تھا۔ شہر کی ایک معزز ہستی جوش

صاحب کے قلم ہجو رقم کا خاص ہدف رہی ہے مولوی نظام الدین حسن۔ یہ نام ہر جگہ ناظم (الدین حسن) کی شکل میں آیا ہے۔ وہ بیرسٹر نہ تھے، وکیل تھے اور نہ ان کی کوٹھی ہروقت ''موکلوں'' سے گھری رہتی تھی...... حافظہ اب بغیر سہارے کے چند قدم بھی نہیں چل سکتا۔ نتیجہ دانستہ اور نادانستہ بے تحاشہ غلط بیانیوں کے باعث یہ نکلا ہے کہ تضحیک اکثر خود اپنے ہی اوپر پلٹ پڑی ہے اور دوسروں پر ٹھٹھے مارنے والا اور تالیاں پیٹنے والا خود ایک اضحوکہ بن گیا ہے۔

زبان بہ حیثیت مجموعی اچھی اور بہت اچھی ہے اور ان کے سے ادیب کے شایان شان، اور بعض ٹکڑے تو بے ساختگی کے لحاظ سے بے مثل و بے مثال......لیکن ایسا ہر جگہ نہیں ہے اور جو ٹکڑے خوش وقتی کے وقت میں لکھے ہیں وہ اختلال حواس کی نظر ہو گئے ہیں۔ جیسے کہ ہر شرابی اور نشہ باز کے ہونے بھی چاہئیں۔ ان پر بے تکلف حکومت، تصنع اور تکلف کی قائم ہو گئی ہے اور کہیں کہیں لفظ قلم سے غلط نکل گیا ہے۔ مثلاً ص ۲۹۵ پر بجائے نفس امارہ کے ''نفس لوامہ'' اور دھومیں کا قافیہ گھومیں۔ دھوم تو صحیح ہے لیکن اس کے جوڑ پر گھوم بطور اسم کے پڑھنا اور پھر اس کی جمع بنانا تمام تر من گھڑنت اور ایجاد بندہ اگر چہ گندہ ہے۔ ترکیبوں اور محاوروں میں کہیں کہیں تو بے شک جدت، ندرت، تازگی حلاوت ہے لیکن کہیں کہیں غرابت اور بھدا پن ہے مثلاً بارش کے لیے بجائے رم جھم کے ''روم جھوم'' یا پانی کا ''جھوم جھام'' کے برتایا پٹیا پانی کے بجائے ''پیٹے کا پانی'' یا ''اندھیرے'' کی جگہ ''اندھیارہ'' یا گوڑیت (دیہاتی چوکیدار) کے بجائے گوڑ'' (ص 171)۔

متانت تحریر کا ابتدائی مطالبہ یہ ہے کہ مخالف اگر معزز ہے تو اس کا نام بے تمیزی سے نہیں تہذیب و شائستگی کے ساتھ آئے۔ اس دربار میں اگر ممتاز عالم اہل سنت مولانا عبدالشکورؒ آجاتے ہیں تو اس طرح کہ گویا کوئی پیادہ ان کی گردن میں ہاتھ دیئے ہوئے۔

''مولوی عبدالشکور کے چند گر گے''

''حکومت نے لکھنؤ کے ایک سنی مولوی عبدالشکور کو بھنڈی بازار پر مامور کر

دیا تھااور اس غداری کے صلہ میں وہ گھر بیٹھے وظیفہ پاتے تھے۔''

یہ ''رافضیت'' ہوتو ہو۔ باقی کسی محض شیعہ یا امامیہ کی بھی تحریر نہیں ہوسکتی۔

قلم بے تحاشہ گالی بکنے کا آدی ہے اور جب کوئی جاندار گالی کھانے کو نہیں ملتا تو وہ کسی بے جان مثلاً موسم ہی پر ابل پڑتا ہے۔ موسم گرما کا ہریالا ذرا ملاحظہ ہو:

''شیاطین کی آنکھوں کا تارہ، لوکا راج دلارا، الاؤ کا گہوارہ اور شعلوں کا فوارہ، خونی ریچھ۔ لاگو بھیڑیا اور بنڈیلا سور...... مغضوب، مبغوض، معتوب...... اس چٹختے چمار موسم میں جب حرام زادی لو کے جھکڑ......'' (ص46)

یہ ادب وانشا کے سکے ڈھل رہے ہیں یا ملیح آباد کے خاں صاحب اپنی بد نصیب رعایا کی مرمت جوتوں سے کر رہے ہیں۔

فرشتوں کا ذکر جس ادب واحترام کے ساتھ کیا ہے عجب نہیں کہ ابولہب کا ہم زاد آج جھوم جھوم پڑے۔

''ساتویں جہنم کے گندے فرشتے''۔ ص46

کیا بلاغت ہے! مکرر ارشاد ہو۔

فحش پسندی، قلم کی ہر جنبش پر غالب ہے۔ شاعرانہ تشبیہ بھی سوجھتی ہے تو پھکڑ قسم کی پھبتی ہو کر، لکھنؤ کی نئی سواری رکشہ پر شاعر کو سخت پیچ وتاب ہے۔

[یہ رکشے] ایسے ہیں کہ اگر ان پر سکندر اعظم تک کو بٹھایا جائے تو وہ بھی کسی دیہاتی رنڈی کا بھڑوا نظر آنے لگے''۔ (ص71)

انتہائی عظمت کے موقع پر نام سکندر اعظم کا ذہن میں آنا شاعر انقلاب کو مبارک ہو!

شاعر کے معتوبوں کی فہرست خاصی طویل ہے۔ کیا ہندوستان اور کیا پاکستان میں سر سید احمد خاں، آصف جاہ سابع، میر عثمان علی خاں، حیدری صاحب، ممتاز حسین، عبدالحق بابائے اردو، شان الحق حقی، فیلڈ مارشل ایوب خاں، الطاف گوہر وغیرہ۔ اور جو محبوب ہیں وہاں بھی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ جوش صاحب سے بھی کوئی بڑا ہے۔ سب ان سے دبے ہوئے، لچے ہوئے، ان کے سامنے جھکے

ہوئے یہاں تک کہ جواہر لال نہرو کے سر پر بھی پرچم جوش صاحب کی انانیت کا لہرا رہا ہے...... اور کتاب میں جن انگنت شخصیتوں کا ذکر ہے ان میں مظلوم ترین اور صابر ترین شخصیتیں تو دو نظر آتی ہیں۔ایک نظام دکن مرحوم اور دوسری جوش صاحب کی رفیقۂ حیات۔جنھیں جوش صاحب بے شمار چرکے دے چکے ہیں اور جو جوش صاحب کی بے شمار جھوٹی قسموں کا یقین کر کے یا یقین نہ کر کے بہر صورت اپنی زندگی کے دن ہر شریف خاتون کی طرح خاموشی ہی کے ساتھ جوش صاحب کے ساتھ نباہ رہی ہیں۔

انانیت کے ساتھ دو زبردست عفریت یا کالے دیو کتاب کے صفحہ صفحہ پر موجود ہیں۔ایک شراب نوشی دوسرے فحش کاری، شرابی ہونا تو گویا کسی درجہ کا عیب نہیں، اسلام کے دینی معیار کو چھوڑیئے۔مسلمانوں کے دینی وثقافتی نقطۂ نظر سے بھی نہیں۔اور شرابی ہو کر انسان مسلم معاشرہ میں بے کھٹکے اور بغیر کسی خوف واندیشہ کے گزر سکتا ہے۔شرابی صرف جوش صاحب ہی نہیں بلکہ فلاں دوست اور فلاں عزیز کہنا چاہیے کہ سب ہی اس حمام میں ننگے ہیں یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ مسلم شریف برادری میں کوئی بے عزتی کوئی ذلت بھی شراب کے خم لنڈھانے میں ہو سکتی ہے۔پھنکارتے جایئے پیالے پر پیالہ چڑھاتے جایئے۔

(2)

شراب نوشی سے بڑھ کر دوسرا عذاب جو جوش صاحب نے قوم وملت کے سر پر نازل کیا ہے وہ فحش کاری اور حرام کاری کا بے دھڑک اور بے جھجک پروپیگنڈا یا پرچار ہے اور ڈھٹائی اس سلسلے میں اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ کئی صفحوں میں اپنی شوہر دار اور شادی شدہ داشتاؤں کے آدھے آدھے نام اور پتے تک لکھ ڈالے ہیں۔فلاں گھر میں رات کے اندھیرے میں یوں پھاندا فلاں حویلی کے بالا خانے پر دربان یا مغلانی کو ملا کر یوں رسائی پیدا کی۔خود ہی ایک جگہ مصنوعی غصہ کے ساتھ یہ لکھا ہے ''دولت والے شریف بہو بیٹیوں پر سانڈ کی طرح...... بیٹھتے ہیں'' خدا معلوم یہ فقرہ لکھتے وقت اپنی تصویر کہاں نظر سے غائب ہو گئی تھی۔اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنے مظلوم دلوں کی آہیں

اور کتنے مجروح دلوں کی کراہیں ان اوراق کو پڑھ کر بلند ہوں گی اور عرشِ الٰہی سے ٹکرائیں گی! کس کس فخر و تعلّی کے ساتھ اپنے ایک ایک معاشقہ کے جزیات کو بیان کیا ہے اور ایسے ایسے موتی پروئے ہیں کہ جاہلیتِ عرب کا بدنام سے بدنام شاعر اپنا منھ پیٹ کر رہ جائے گا!...... اس کھلے ہوئے شہدپن اور اوباشی کو عشق سے تعبیر کرنا کیسا ظلم عظیم اس لفظ پر ہے۔ بے شمار نوجوان مرد اور عورتیں (جن میں شاعر صاحب کی پوتیاں اور نواسیاں اور آئندہ نسلیں بھی شامل ہیں) ان ملفوظات کو پڑھ کر کس قدر بگڑیں گی اور کس طرح درس عمل حاصل کریں گی؟ ان کی طرف کبھی شاعر صاحب کا ذہن گیا ہے!

انانیت، شراب نوشی، حرام کاری کی افراط کے بعد پھر جو جگہ باقی رہ گئی ہے وہ کذب بیانیوں اور جھوٹی قسموں کی نذر ہوئی ہے اور جھوٹی قسموں کو اس طرح سجا کر اور اس سج دھج کے ساتھ پیش کیا ہے کہ گویا یہ بھی کوئی دلکش اور دلپذیر فنِ لطیف ہے کہ نوجوانوں کو چاہیے کہ اس کی طرف اپنی جھولیاں لے کے دوڑیں اور زر بے بہا جتنا بھی مل جائے اس سے اپنی جھولیاں بھر لیں۔ زیٹ پر زیٹ یہ زٹل قافیہ، یہ رجز خوانی آج جو کچھ بھی کام دے جائے۔ ''کل'' جب کشف حقائق کا وقت ہوگا کچھ جوش صاحب نے سوچ رکھا ہے اس وقت کے لیے؟ کیا جواب ہوگا اس سوال کا کہ ہزاروں بے گناہ جو تمہاری اس تحریر سے بگڑے اور اپنی زندگی اس سے تباہ کر لی اس کی ذمہ داری کس پر ہے اور کون یہ سارا وبال بھگت کر رہے گا۔

شوخیاں سب ہی لڑکے کرتے ہیں اور علی گڑھ کے لڑکے تو اپنی شوخیوں کے لیے کچھ زیادہ ہی مشہور ہیں۔ اب ایک نمونہ جوش صاحب کی شوخی کا سنیے۔ خیر سے کچھ دن آپ نے علی گڑھ اسکول میں پڑھا ہے۔ کسی درجہ میں تھے کہ آپ سے اور سب پراکٹر مظہر علیم مرحوم سے کسی ناگفتہ بہ معاملے میں ٹھن گئی۔ آپ کو ایک شیطان ساتھی کے ساتھ مل کر یہ سوجھی کہ اپنے سب پراکٹر کے منہ پر پیشاب کر دیا جائے چنانچہ اس شیطانی سازش پر عمل ہوا اور ایک شب جب پراکٹر صاحب نیچے سو رہے تھے ان دونوں ساتھیوں نے کوٹھے کے پرنالے سے سیدھ باندھ کر ٹھیک ان کے چہرے کو گرم گرم

پیشاب سے غسل دے دیا اور جب صبح انہوں نے پراکٹر (میر ولایت حسین مرحوم) کے یہاں فریاد کی تو جوش کے ساتھی صاحب صاف جھوٹی قسم ان کی صفائی میں کھا گئے......اس چرکینیت اور اس صریح کمینہ حرکت کو آپ محض طفلانہ شوخی کہہ کر ٹال جائیں گے؟ دین و مذہب نہ سہی دنیا کی شرافت و اخلاق کی کسی بھی صورت میں اس کا جواز مل سکے گا۔

اور سنیے، علی گڑھ سے نکالے گئے۔ جب کچھ اور سن شریف بڑھا تو ایک شب میں دو بجے چوک سے اپنی روسیاہی سے فراغت کر کے دو ایک شہدے دوستوں کے ساتھ تانگہ پر واپس ہو رہے تھے۔ شیطان نے پٹی پڑھائی کہ اس وقت اپنے شناساؤں میں سے جن صاحب کا مکان راستے میں پڑے گا انھیں جگا کے گالیوں اور فحاشی سے ان کی تواضع کی جائے اور معاً تانگہ بھگا دیا جائے چنانچہ اس پر عمل ہوا اور مرزا محمد ہادی رسوا (جو جوش صاحب کے استاد بھی تھے) اور سید جالب دہلوی ایڈیٹر ہمدم وغیرہ پر جو کچھ گزرنا تھی وہ گزر کر رہی۔

واللہ اعلم کس مصلحت سے اپنی فلمی زندگی کے کارنامہ کی تفصیل جوش صاحب کے قلم سے رہ گئی۔ جب وہ ''من کی جیت'' میں پردۂ فلم پر آئے تھے اور ''ابھار'' اور ''پیار'' کی قافیہ سرائی کی بہار دکھاتے پھرتے تھے۔ کیا بہار ہوتی کہ جوش صاحب کے بزرگان کرام میں رسالدار فقیر محمد خاں گویا بھی ان کی ان سعادت مندیوں اور خوش اطواریوں سے خوب واقف ہو جاتے!

بین السطور میں دعویٰ علم کا اور فلسفہ دانی کا بھی کیا ہے اور رسولؐ اور اہل بیت کے عشق کے ساتھ ملا حیاں اللہ میاں پر بھی موجود ہیں۔ رسول کریم کی یہ خوب مدح سرائی ہے کہ آپ (نعوذ باللہ) اتنا سچ بھی بول نہ سکے کہ آپ کسی موجود شئے اللہ نام کے رسول ہیں۔ اعتراض وہی فرسودہ۔ عامیانہ، جاہلانہ کہ قادر مطلق و خیر مطلق اتنے شر اور اتنی بدی کو گوارا کیسے کر رہا ہے!......گویا وہ حکیم مطلق ہے ہی نہیں، یا یہ کہ ہم نے اس کی ساری حکمتوں کا احاطہ کر لیا ہے......اور ان پر آخر وہ دور کب اور کس سنہ میں گزرا ہے

جب انھوں سے علوم کا مطالعہ سنجیدگی سے کیا تھا۔ فلسفہ و حکمت کی کون کون سی کتابیں کس زبان میں پڑھی تھیں۔ اس نشان دہی سے ان کے نیاز مندوں کو بڑی مدد مل جاتی۔

کتاب فنی اعتبار سے بھی کچھ یوں ہی سی ہے۔ ایک جگہ طلوع فجر کی منظر کشی کرتے ہیں۔

> ''تارے کانپ کانپ کر کجلائے چلے جا رہے ہیں۔ اور ایسا نظر آتا ہے کہ ماہ کنعاں کا ماتھا کنویں سے نکل کر جگمگا رہا ہے......
> چڑیاں چہکنے، ڈالیاں لچکنے اور مرغان سحر بانگ دینے لگے۔ کعبہ نور میں اذان ہونے لگی''۔ (ص 44)

یہ عجیب سوءِ مشاہدہ ہے۔ چڑیوں کا چہکنا، ڈالیوں کا لچکنا اور مرغ کا اذان دینا، یہ سب قرص آفتاب کے بلند ہونے سے کہیں پہلے ہو چکتا ہے......اور پھر مرغان سحر کی خالص فارسی ترکیب میں ان کا بانگ دینا اس سے عجیب تر بانگ دینا تو اردو والے مرغ کا کام ہے۔ فارسی میں ''مرغ'' پرندہ کے لئے عام ہے اور اس کا ترجمہ چڑیوں سے ہوگا نہ کہ مرغوں سے۔

جوش تشبیہات کے بادشاہ ہیں۔ لیکن وہی جب تک تشبیہہ سادہ اور مفرد ہو۔ تشبیہہ مرکب یا تشبیہہ در تشبیہہ میں وہ الجھ کر رہ جاتے ہیں اور معنویت عبارت کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ ایک جگہ تعارف مرزا جعفر علی خاں اثر صاحب کو کرا رہے ہیں۔ تعارف کی کڑم دُھڑم سنئے:

> ''قلزم انسانیت کے منارۂ ضوبار، منبر انتقاد کے خطیب اعظم ہند زبان کے قاضی القضاۃ'' (ص 366)

اور یہ سب تمسخر میں نہیں عین موقعِ عظمت و عقیدت پر۔

کتاب جیسی کہ وہ ہے اسے لکھ کر جوش نے اپنے ساتھ انصاف نہیں کیا نہ اپنی ذات کے ساتھ نہ اپنے خاندان اور بستی والوں کے ساتھ، نہ اپنی عفت مآب خاتون کے ساتھ (جن ایک تصویر بھی خواہ مخواہ دے دی ہے بلکہ اپنے ساتھ کم و بیش

ان کو بدنام ہی کیا ہے۔ نام روشن کرنے والی کتاب اس کو کسی معنی میں بھی نہیں کہہ سکتے۔ کاش یہ کتاب جوش نے اپنے شاعرانہ کمالات پر لکھ دی ہوتی اور اس میں اپنے جتنے مناقب چاہتے بھر دیتے۔ اپنی تعلّیوں کی لے کتنی ہی بلند سے بلند تر رکھتے اور ''کلیم'' کے سابق ایڈیٹر کی حیثیت سے جتنی چاہتے 'لن ترانیاں بگھارتے۔ وہ کتاب پسند آتی یا نہ آتی ''گوارا'' تو بہر حال ہو جاتی۔ یہ تو نہ ہوتا کہ اس کی شکل دیکھتے ہی نہ صرف بےزاری اور نفرت پیدا ہو بلکہ ساتھ ہی غصّہ بھی آ جائے۔

جوش صاحب میرے لیے اجنبی و بیگانہ نہیں۔ وہ عزیز لکھنوی کے شاگرد ہیں اور عزیز سے میرے مخلصانہ تعلقات تھے۔ وہ حضرت اکبرؒ کے نیاز مندرہ چکے ہیں (اگر چہ کتاب میں کہیں ان کا ذکر نہیں) اور ان کے میرے بہت سے احباب مشترک ہیں۔ وہ مرزا محمد ہادی رسوا کے پڑھائے ہوئے ہیں اور مرزا صاحب میرے بزرگ کرم فرما تھے۔ میں جوش کی نجابت، شرافت کا ہمیشہ قائل رہا اور وہ مجھ سے بھی مدتوں بطور ایک خورد (جونیئر) کے ملتے رہے، غرض کہ ان کے متعدد رشتے اور واسطے مجھ سے ہیں اور ان کے بہت سے حق وحقوق ہر پہلو سے قائم ہیں۔ ان کے خلاف کچھ لکھتے ہوئے میرا دل دکھتا ہے اپنا والا میں نے اس کا اہتمام رکھا ہے کہ اس انتقادی تحریر میں بھی کوئی ناانصافی ان کے ساتھ نہ ہونے پائے۔ انھیں یقیناً اپنی بے راہ روی اور اس کی اہمیت واشدیت کا آج احساس نہیں ہے۔

مقالہ کا عنوان میں نے ایک گندی کتاب رکھا ہے آپ چاہیں تو اسے ''ایک ننگی کتاب'' بھی کہہ سکتے ہیں۔ اچھا ہوتا اگر جوش صاحب اس کا نام فحشیات جوش رکھ دیتے کوئی نہ کوئی صاحب جوش صاحب پر ریسرچ ضرور ہی کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کریں گے۔ یہ مجموعہ ہاتھ آ جانے سے ان ریسرچ اسکالر صاحب کا کام خوب نکل جائے گا۔

صدق جدید نمبر 35، 36 جلد 22 مورخہ 21، 28/ جنوری 1972